itsurdu.blogspot.com

۱۰۔ اس مکان کی حفاظت اور نگرانی منقرہ کے ذمہ رہے گی۔ اور نیز شب کو میں اسی مکان مسکونہ بیگم صاحبہ میں رہا کروں گا۔

۱۱۔ اس اقرار نامہ کی پابندی نہ صرف مجھ کو بلکہ جہاں تک ممکن ہو گا میرے وارثان اور قائم مقام ان کو بھی کرنا ہوگی۔

یہ چند کلمے مع شرائط نمبر ۱ ۔ ۱۱ در حالت صحت نفس و ثبات عقل۔ ام اب کامل۔ قیمت پر لکھ کر مصدق برجسٹری کرا دیا کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

عبارت پشت اقرار نامہ۔

منقرہ کو شرائط اقرار نامہ ہذا پسند او قبول ہیں۔۔ | مہر |

اب اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ اس اقرار نامہ کی عبارت کو پڑھ کے کم سن نوابزادے کے دل پر کیا صدمہ گذر گیا ہو گا۔ کسی طرح دل کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ ایسی چاہنے والی ماں پیارے اکلوتے بیٹے کے ساتھ یہ سلوک کر گئی گئی بار اقرار نامہ کو پڑھا۔ مہر کو غور سے دیکھا دل ہی دل میں کہتے تھے۔ "کلثوم بیگم" ہائے یہ تو میری ماں کا نام ہے۔ اور کیسی اس کو تو میرے فرزند ہونے سے انکار ہے۔ یہ کیا ماجرا ہے۔ میں اپنے باپ کا بیٹا نہیں۔ نہ کلثوم بیگم کے بطن سے نہ کسی اور عورت کے بطن سے یہ کیا ستم ہے۔ ہائے اس ماں نے یاد رکھو میں کیا ہوں) کہیں کا نہ رکھا شہر میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔ اچھا ہو گا میں اب شہر میں کیوں رہنے لگا۔ ان خیالات کے ساتھ ہی پردۂ قاف کا خیال آیا دل کو فوری تسکین ہو گئی۔ مگر ماں بیٹوں میں جو ایک فطری تعلق ہوتا ہے اس سے صرف توجہ کرنا کوئی آسان بات تھی۔ بار بار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے نیلوفر کی فہمائش زخم کی لذت دے رہی تھی۔ مہری جو سامنے کھڑی تھی اس کے فقرے اگرچہ بظاہر تسلی آمیز تھے مگر نواب کے دل پر چھریاں سی لگتی تھیں۔

نیلوفر جی نے اس حالت کو بھانپ کے اس ناشدنی صحبت کو جلد برہم کر دیا۔

خلیفہ۔ (مہری سے) اچھا تو یہ کاغذ ہمیں دیدو۔

مہری۔ نہیں میاں ایسا نہ کرو۔ کاغذ تو سرکار نے جہاں سے پایا ہے وہیں رکھ دو نا بگڑ جائیں گی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خلیفہ۔ واہ کہیں ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ کاغذ ہمارے پاس رہے گا۔ یہی تو ایک گرفت ہاتھ آئی ہے۔

نواب۔ (سر اٹھا کے) ہاں ہاں یہ کاغذ نہ دینا۔

مہری۔ اگر یہ کاغذ حضور کے کسی کام کا ہے تو خیر۔ صدقے کیا تھا رہنے دیجئے۔

نواب۔ ہاں ہاں کام کا کیوں نہیں ہے۔

مہری۔ مگر ایک عرض میری ہے۔ اپنی اماں جان سے میرا نام نہ لیجئے گا۔

خلیفہ۔ برہم ہو کے (کیسی اماں جان) خدا چاہے گا تو اب اُن سے کبھی سامنا بھی نہ ہوگا۔

مہری۔ تو خیر۔ اتنا کہہ کے مہری تین تسلیمیں کر کے رخصت ہو گئی۔

اُس کے جانے کے بعد خلیفہ جی اور نواب صاحب میں باتیں ہونے لگیں۔

خلیفہ۔ دیکھا آپ نے۔ عورتیں کس قیامت کی ہوتی ہیں۔

نواب۔ واللہ۔ کیا بتاؤں دل کو کسی طرح یقین ہی نہیں آتا کہ اماں جان نے یہ کیا کیا۔

خلیفہ۔ وہ کیونکر یقین آئے۔ آپ تو ایک بھولے آدمی ہیں۔ دنیا کا سات پانچ کیا جانیں۔

نواب۔ اچھا تو پھر اب کرنا کیا چاہیئے۔

خلیفہ۔ وہی جو میں نے رات کو عرض کیا تھا۔

نواب۔ کیا میں بھول بھی گیا۔

خلیفہ۔ اب ایسی ایسی مطلب کی باتیں نہ بھول جایا کیجئے۔ وہی کنجیاں اور مال و اسباب سب اپنے قبضہ میں کیجئے۔

نواب۔ اونہہ ہوگا۔ جانے بھی دو۔ خدا ہمیں پھر دے رہے گا۔ جلدی یہاں سے چلنے کی تدبیر کرو میں اب اس شہر ہی میں نہ رہوں گا تم ہی کہو کیا منہ لے کے رہوں۔ جب یہ باتیں ہم چشموں کو معلوم ہوں گی تو کیسی ذلت ہوگی۔

خلیفہ۔ مگر مال اپنے قبضے میں کیجئے۔

نواب۔ مجھے مال کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خلیفہ۔ مگر یہی ہے۔ کیا مجال کہ جناب حکیم صاحب کے ہاتھ نہ لگے۔

حکیم صاحب کا نام کیا لیا گیا گویا نواب کے دل پر ایک برچھی لگی۔ خاندانی دشمن۔ باپ کا رقیب اُس کو ایک مہر نہ ملنے پائے۔

نواب۔ بیشک آپ سچ کہتے ہیں۔ میں غلطی پر تھا۔ مگر یہ میرے نوٹ وغیرہ تو سب کلثوم بیگم (اماں جان سے کلثوم بیگم ہو گئیں) کے قبضے میں ہیں۔

خلیفہ۔ پھر ہوں۔ کر ہی کیا سکتی ہیں۔ اُن کو سوائے آپ کے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ نوٹوں کے نمبر میرے پاس موجود ہیں۔

نواب۔ مگر اقرار نامہ میں تو یہ لکھا ہے کہ میں وارث ہی نہیں۔

خلیفہ۔ ہاں یہ فقرہ میں خوب نہیں سمجھا۔ حکیم صاحب کا کوئی جعل ہے۔ مگر یہ چل نہیں سکتا خاطر جمع رکھیے۔ آپ کی وارثت قطعی ثابت ہے۔ ناجائز ہوتا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ دوسرے نواب صاحب مرحوم وصیت نامہ میں لکھوا چکے ہیں۔

نواب۔ والد نے تو لکھوا یا تھا۔ خود والدہ لکھوا چکی ہیں۔ چاہے اب اپنے لکھے سے انکار کریں۔

خلیفہ۔ اب انکار چل نہیں سکتا۔

نواب۔ مگر جھگڑا ہو گا۔

خلیفہ۔ ضرور۔ مگر انجام میں آپ ہی جیتیں گے۔

نواب۔ یہ تو یقین ہے۔

نواب صاحب نے حسب ایمائے خلیفہ گھر کی کوٹھریوں اور بھاری صندوقوں کے قفل توڑے۔ تمام جواہرات کے صندوقچے۔ پشمینہ۔ لباس۔ صندوقوں سے نکال نکال کر اُن کے حوالے کئے۔ انھوں نے رات ہی رات لاکھوں روپیوں کا اسباب کھسکا دیا۔ اسی شب کو تین بجے طلسمی کمرے میں الارم ہوا۔ نواب صاحب نے صندوقچہ کھولا۔ یہ رقعہ ملا۔ ۲۴۲۱۱ ۳۱۳۱۱۳ ۴۵۵۵۱۱۲۱۴۲۵۳

تم اسی وقت شہر سے روانہ ہو۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

طلسمی تحریر نواب صاحب پر وحی آسمانی کا حکم رکھتی تھی۔ نواب فوراً کو ٹھے پر سے اُتر ے۔ خلیفہ جی منتظر بیٹھے تھے۔ نواب کو کچھ تعجب ہوا۔

نواب۔ آپ تو میرے سامنے گھر گئے تھے اس وقت کہاں۔!

خلیفہ۔ نواب عجیب معاملہ ہے۔ میں گھر میں غافل پڑا سو رہا تھا۔ خواب میں ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی کہتا ہے جا تُو نواب نے یاد کیا ہے۔ میں سمجھا خواب و خیال ہے۔ کچھ توجہ نہ کی۔ کروٹ بدل کے پھر سو رہا دوسری مرتبہ ہاتھ پکڑ کے بٹھا دیا۔ اور پھر وہی کہا۔ اب کی بھی میں پھر لیٹ کے سو گیا تیسری مرتبہ زور سے گال پر طمانچہ پڑا کہ جاتا نہیں۔ نواب نے یاد کیا ہے۔ دن ہوتا تو آپ دیکھتے گال سرخ ہیں۔ اور ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ میں گھبرایا ہوا آپ کے پاس دوڑا آیا۔ کہیئے کیا حکم ہے۔

نواب۔ (مسکرا کے) مجھے سفر کا حکم ہوا ہے۔ کیا کرنا چاہیئے۔

خلیفہ۔ شاہ صاحب کے پاس چلیئے

نواب۔ اچھا گاڑی تیار کراؤ۔

خلیفہ۔ گاڑی کی ضرورت نہیں۔ اس وقت پیدل ہی چلنا چاہیئے۔ ضرور ہے کہ شاہ صاحب راستہ میں مل جائیں۔

نواب اور خلیفہ پاپیادہ گھر سے روانہ ہوئے۔ اُن دونوں کو جاتے ہوئے سوائے چوکیدار کے اور کسی نے نہیں دیکھا۔ کشمیری محلے کے چوراہے پر شاہ صاحب سے ملاقات ہو گئی تینوں آدمی چار باغ اسٹیشن پر پہنچے۔ درجہ اول کا ٹکٹ لیا۔ دہلی کو روانہ ہوئے دوسرے دن شام ہوں شام دہلی پہنچے یہاں سے تار دیا گیا۔ نواب صاحب کے ملازم آٹھ آدمی تیسرے دن لکھنؤ سے روانہ ہوئے چوتھے دن موری سرائے میں سب نواب صاحب سے مل گئے۔ یہاں سے لاہور کا ٹکٹ لیا گیا۔ ملتان تک ہوتے ہوئے کراچی میں جہاز کا ٹکٹ لیا۔ بمبئی میں داخل ہوئے۔

گھر سے بے سرو سامان چل کھڑے ہوئے تھے۔ مگر راستہ میں کسی بات کی ضرورت نہ ہوئی۔ ہر مقام پر غیب سے رزق کی تنگی ہوتی تھی۔ نواب کے سرہانے سے روپوں کی تھیلیاں نکلتی تھیں۔ اب شاہ صاحب نے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ملک راجپوتانہ کی سیر کا ارادہ ظاہر کیا۔ جس پر نواب صاحب نے تمام ہمراہیوں کے فقیری بانا کیا۔

شجرفی تہ بند میں ملبوس ہوتی تھیں۔ دیکھنے ہاتھ میں۔ نواب صاحب کے ہاتھ میں چاندی کا دمڑا تھا۔ اس میں سونے کا کڑا بڑا ہوا تھا کان میں آویزہ زمردی۔ اس ہیئت کذائی سے وندھیاچل پہاڑ پر اکسیر کی بوٹیاں تلاش ہونے لگیں۔ نواب صاحب اور شاہ جی شخص اور سایہ کی طرح ساتھ تھے۔

ایک ایک بوٹا اور ایک ایک پتی کا خواص نواب صاحب کو بتایا جاتا تھا اور نواب صاحب سیکھتے جاتے تھے۔ اسی اثنا میں یا بدوح کا عمل بھی شروع کرا دیا تھا۔ جب کسی مقام پر ٹھہرے بست در بست کا نقش مربع پڑھنا شروع کیا۔ صرف ایک زمانے میں کسر رہتی تھی۔ شاہ صاحب نے کہہ دیا تھا کہ جس دن یہ کمی نہ رہے گی ہفت اقلیم پر تسلط ہو جائے گا۔ دارا و سکندر سے بڑھا ہوا ملک ہاتھ آئے گا۔ زندگانی جاوید نصیب ہوگی۔ اکسیر کی بوٹیاں روز ملتی تھیں۔ مگر زائد بورے نہ ہوتے تھے۔ یونانی ترکیبوں سے سونا بنانے کے کئی نسخے بنا دیئے گئے۔ عالم سفر میں بھی سامان کیمیاگری فراہم نہیں ہو سکتا تھا۔ ورنہ بیروں سونا چاندی تیار ہو جاتا۔

یونانی نسخہ میں ایک چیز نحاس قبرسی تھا۔ استاد کا قول تھا کہ سوائے نحاس قبرسی کے اور کسی قسم کے تانبے سے سونا بنانا مبتدیوں کے واسطے مشکل ہے۔ ایک دن [illegible] ایک پنساری کی دوکان پر دو تولہ نحاس قبرسی ہاتھ آگیا۔ شاہ صاحب نے فوراً سونا بنا کے دکھا دیا۔ ترکیب نواب صاحب کو بتا دی۔ دو تولہ کی تھیلیاں بنیں۔ وہ بازار میں فروخت ہوئیں۔ چوبیس روپیہ بارہ آنہ تولہ کا بھاؤ تھا۔ انچاس روپیہ آٹھ آنہ کو بکی۔ اس تمام رقم کی مٹھائی تیار ہوئی۔ دادا پیر کی نذر دلوائی۔ فقرا اور مساکین کو تقسیم کی گئی۔ تمام شہر میں دھوم ہوگئی۔ اہل حاجت نے کیمیاگر جان کے گھیرا۔ وہاں سے رات کو روانہ ہوئے۔ اندور میں آئے یہاں نواب صاحب کے ہمراہی ایک پہلوان کو جو اب فقیری بھیس میں تھا راجہ اندور کے ایک پہلوان نے پہچان لیا بڑی خاطرداری کی۔ اس کے بعد بالاجی اور نواب صاحب کی ملاقات بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ بالا صاحب ریاست میں جگہ دیتے تھے۔ نواب صاحب تارک الدنیا ہو چکے تھے۔ یہاں سے پوشیدہ رات کو روانہ ہو گئے۔ گوالیار میں بہت دنوں تک قیام رہا۔ قلعہ تفریحاً دیکھا۔ تان سین کی قبر پر [illegible] ایک رنڈی نہایت

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لگا۔ بازار میں تھی اُس کا مجرا سُنا۔ ڈھائی سو روپیہ انعام دیا۔ دوسرے دن رنڈی پھر آ گئی۔ آپ ہی مجرا کیا۔ نواب صاحب سے لوٹ کرنے لگی۔ پا مرید ہونا چاہا۔ شاہ صاحب نے منع کیا۔ جب اُس رنڈی نے زیادہ گھیرا شاہ صاحب نے کوئی بول دیا۔

نواب صاحب کا پورا سفرنامہ اگرچہ بہت ہی دلچسپ ہے۔ مگر بخوف طول کلام مجبوراً ہم اُسے قلم انداز کرتے ہیں مکرر ایک دن کا واقعہ جو کسی قدر دلچسپ ہے۔ آئندہ بیان میں تحریر کئے دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دو ڈھائی برس تک تمام ہندوستان کی خاک چھانتے پھرے۔ اس سفر میں بیاسی ساٹھ ہزار روپیہ خرچ ہوا۔ وہ سب بہزقبا کے خزانے سے آیا گیا۔ اس اثناء میں نواب علوم کیمیا و سیمیا (کہ جس کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ کس ندانہ جز بذات اولیا) میں کامل و اکمل ہو گئے۔ عمر سفر کوتاہ ہوتی ہے۔ ایک دن سر شام ملکسی رقعہ پہونچا

۲۱ ۲۲۱ ۲۱۵ ۲۵۲ ۱۵۵ ۹۴۲۵ ۱۵ ۴۲ ۱۶۲ ۱۵۵ ۶۵

"اب کچھ خوف نہیں۔ وطن کو روانہ ہو جاؤ"

خدا جانے کدھر لے جائے گا آج
مرا دل مجھ کو دیوانہ بنا کے

چھوٹے نواب کو جنگل جنگل پھرتے ہوئے پورے گیارہ مہینے ہو گئے۔ مگر جیون بوٹی کہیں نہیں ملتی۔ جس پر پارہ ہون تولہ اور پاورتی اکسیر بنانا موقوف ہے۔ آج جنت پور کے قریب ایک چھوٹا سا موضع ہے۔ دامن کوہ میں تھوڑا سا دن باقی ہے جب یہاں پہونچے ہیں۔ ڈیرا لگا ہیں قیام ہوا ہے۔ بنئے کی دوکان کے سامنے ایک بہت بڑا املی کا درخت ہے۔ اُس کے گرد ایک وسیع چبوترہ ہے۔ سب کے بستر لگے ہوئے ہیں۔ ہمراہی لوگ کھانا پکانے میں مصروف ہیں۔ سائیس گھوڑوں کو مل رہے ہیں۔ شاہ صاحب دن بھر کے تھکے ماندے عالم مراقبہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ نواب صاحب پہلے ادھر ادھر ٹہلا کئے۔ پھر تفریحاً آیا ایک ذرا آگے اور چلے ہیں۔ سامنے ایک چھوٹی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کیا پہاڑی ہے۔ آصف نے کہا۔ اُس کے اوپر چڑھ کے دیکھیں اس طرف کیا ہے۔ ”کیا ہے؟“ یہ دو لفظیں ہمارے اور ناظرین کے دل پر معمولی اثر سے زیادہ نہیں کر سکتیں مگر چھوٹے نواب کے دل کا حال اور ہی کچھ تھا۔ سبز قبا کی صورت دل پر نقش تھی۔ یہ بھی یقین تھا کہ وہ مجھ پر جان دیتی ہے۔ مگر کچھ ایسی مجبوریاں ہیں کہ عالم ظاہر میں سامنے نہیں آسکتی۔ اخراجات کا بار اسی کے ذمہ ہے۔ گو مہت سے بے سروسامان نکل کھڑے ہوئے تھے زادِ راہ کچھ بھی نہ تھا۔ اثنائے سفر میں کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوئی۔ جو چاہا کھایا۔ جو چاہتے پہنتے۔ سیکڑوں روپے کی خیرات تقسیم کی کسی بات کی کمی نہ تھی۔ جب جس چیز کی ضرورت ہوئی موجود ہو گئی۔ دوسرے تیسرے روپوں کی تھیلی سرہانے سے نکلتی تھی اس قسم کے واقعات کے ساتھ اس شخص کے دل و دماغ کی کیفیتوں پر غور کیجئے۔ جس پر یہ حالتیں گذرتی ہوں گی۔ واقعی چھوٹے نواب کو صرف کنیز سے یہ تھیٹر دکھایا گیا تھا۔ جس کی لذت عمر بھر فراموش ہونے والی نہیں۔ اِلّا اُس صورت میں جبکہ اُس کا مقابلہ ایسے الم سے کیا جائے جو بعینہٖ اُس کا ضد ہو یعنی ناامیدی۔ فاقہ کشی۔ بے کسی تنگی وغیرہ وغیرہ۔ اس پہاڑ کے اُس طرف کیا ہے؟ نواب صاحب کی لیاقت جغرافیہ دانی محدود تھی۔ سوائے ایک پہاڑ یعنی کوہ قاف اور دنیا کے کسی پہاڑ کا نام آپ کو معلوم نہ تھا۔ جس طرح بچہ ابتدائے نشوونما میں ہر ایک متنفس کو خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ ماں سمجھتا ہے اور جب کسی قدر قوت تمیزہ کی ترقی ہو جاتی ہے تو ہر مرد کو باپ اور ہر عورت کو اماں کہتا ہے خصوصیات کی تمیز بہت دنوں میں ہوتی ہے۔

اس پہاڑ کے اُس طرف ممکن ہے کہ کوہ قاف کی سرحد پر دیوؤں کا پہرہ ہو گا۔ لال دیو اور کالے دیو کی شکلیں انھوں نے اندر سبھا میں دیکھی تھیں۔ اونچی چیزوں میں تاڑ کا درخت مشہور ہے۔ اور نواب صاحب نے اکثر تاڑ کے درخت بھی دیکھے تھے۔ بس وہی دو شکلیں دیو کی صورت موہوم کے اختراع کے لئے کافی تھیں دیو اکثر آدم زاد کو کھا جاتے ہیں۔ گو نواب صاحب کو اپنے زورِ بازو اور اُن اسمائے ردّ سحر پر جو شاہ صاحب نے تعلیم کئے تھے۔ اتنا اعتماد ضرور تھا کہ اگر کہیں مقابلہ ہو گیا تو ہمیں ڈر رہیں گے مگر اس قدر جرأت دن ڈھلے تھی۔ رات کو نواب صاحب بستر پر سے بھی نہ اٹھ سکتے تھے اس لئے کہ بچپنے میں جو انائیں کھلائیاں ڈرایا کرتی تھیں وہ ابھی تک آپ کے دل سے نہ نکلا تھا۔ پریوں کو یہ بڑی ہوئی خوبصورت عورتیں سمجھتے تھے۔ مگر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سبز قبا کو بغیر پروں کے دیکھا تھا۔ اس لئے ان کا یہ خیال تھا کہ پر اوپر سے لگا دیئے جاتے ہیں۔ بعینہ جیسے اندر سبھا کی پریوں کے پر لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جب چاہتی ہیں وہ اتار کے رکھ بھی دیتی ہیں پریوں کو اختیار ہوتا ہے جب چاہیں پروں کو چھپا لیں جب چاہیں ظاہر کر دیں۔

بعد ایسے ہی خیالات میں ہم اس معروف پہاڑ کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس وقت اس جنگل اور پہاڑ کا سماں دیکھنے کے لائق تھا۔ دامن کوہ سے لے کر چوٹی تک وہ ایک قطعہ زمردی نظر آتا ہے۔ ہر طرف گنجان درختوں پر پرندوں سوائی رات بھر کی استراحت کا یا ملال رکھ کے کچھ ایسی مستی پیدا کر دیتا ہے۔ ان پھولوں کو چھیڑنے اور ان راگوں کو الاپنے کے جو فطرت نے ان کے گلوں کے لئے مخصوص کئے ہیں۔ اور کچھ یاد نہیں غروب آفتاب کا جتنا قریب وقت آتا جاتا ہے ان کے گیتوں کا ترانہ سب سے اونچے ہوتے جاتے ہیں۔ قرص آفتاب سونے کی تھالی کی طرح پہاڑ کے مغربی سمت میں ایک وسیع درے کی سطح افق سے دو قدم کی بلندی پر نظر آتا ہے۔ گرد دھوپ کا کہیں پتہ نہیں ہاں ہر طرف شفق کی رنگا رنگی کا عالم دیکھنے کے لائق ہے۔ سرخ گہرا، نارنجی، زرد، نافرمانی ابری سے درمیان سطح فلک پر ابر دھوئیں کی طرح نظر آتے ہیں۔ کسی کسی رنگ کے طبقے ساحل ابر کو دیکھ اونچے دور تک پہنچے ہوئے ہیں گویا ان پہاڑوں کی اس طرف بلند پہاڑ دوڑا ہوا ایک اور سلسلہ چلا گیا ہے۔ پہاڑ اوپر سے نیچے تک انواع و اقسام کی نباتات کی گھاس سے چھپے ہوئے ہیں ہر چہار طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ یہ مقام سبز قبا کی سیرگاہ کے لئے بہت ہی مناسب ہے۔ نواب صاحب اس کو کوہ قاف سمجھے ہوئے ہیں۔ چھوٹی سی ندی جس کے پل سے ہم آگے نواب صاحب بائیں طرف مڑتے ہیں، دور تک لہراتی ہوئی چلی گئی ہے۔ اور آگے چل کر گنجان درختوں میں غائب ہو گئی ہے۔ وادی کے کنارے چھوٹے بڑے گول اور بھورے رنگا رنگ کے پتھر اس خوبصورتی سے جا بجا پھیلے ہوئے ہیں گویا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے ایک ایک کر کے چنے ہیں۔ اسی طرح کے پتھروں کی تہ پانی کی سطح کے نیچے دریا کی تہ میں بھی نظر آتی ہے۔ ندی کا پانی صاف شفاف دیکھنے سے ایک خاص قسم کی ہوس دل میں پیدا ہوتی ہے جس کو طلب سوال سمجھنا چاہیے کہ جی چاہتا ہے کل پانی پی لیں یا گھر میں اٹھوا لے جائیں۔ یہاں کوئی دو قدم کے فاصلے پر پہاڑی کی اونچائی شروع ہوتی ہے۔ پہاڑ کی بناوٹ اسی طرح کی ہے کہ سب سے نیچے

itsurdu.blogspot.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

طبقے میں بڑے بڑے پتھروں کی سلیں تہ بہ تہ چُنی ہوئی ہیں۔ اس کے اوپر والے طبقے کو اس طرح کے تقریباً ایک ہی انداز کے ایک سے ایک جڑا ہوا۔ پھر ایک تہ ستونوں کی اسی ترتیب سے پہاڑ کی اوپر تک کے طبقے میں بنی گئی ہے۔ ان طبقات کو دیکھ کر نواب صاحب کو یقین ہو گیا کہ یہ سب دیووں کی کارستانی ہے۔ اس لئے کہ اس طرح پر انسان اس طبقے کو ان چن سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی قدیم محکم قلعے کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ قلعہ ضرور دیووں نے بنایا ہوگا۔ یا ان کے قدیم مکانوں کے کھنڈر ہیں۔

پہاڑی کا راستہ گھومتا ہوا دامن سے لے کر چوٹی تک چلا گیا ہے۔ اس راستے کے دہنے بائیں بڑے بڑے عمیق غار ملتے ہیں۔ ان سب میں سرسبز درخت گویا سونہا منہ بھرے کھڑے ہیں کہیں کہیں غاروں میں اُترنے کا راستہ بھی ہے۔ اور کہیں بالکل نہیں ہے۔ نواب کے واہمہ نے تجویز کیا کہ ایسے ہی کسی کنوئیں میں شہزادہ بے نظیر مقید کیا گیا تھا۔ اور ان ہی سلوں میں سے ایک سل اُس کنوئیں کے منہ پر ڈھانک دی گئی ہوگی پہاڑی کی چوٹی پر پہونچے تو اس کو ایک تختہ مسطح زمین کا ملا۔ اس کے وسط میں ایک چوکور پتھر پڑا ہوا تھا۔ اب تو یقین ہو گیا کہ یہی دیو کا چبوترا ہے۔ اس کے قریب ایک پتھر کی سل پڑی تھی اس کے پاس ایک پہاڑی درخت تھا۔ اُسی کی جڑ پر نواب صاحب بیٹھ گئے اور چاروں طرف نظر دوڑا دوڑا کے دیکھنے لگے۔ کوسوں تک سوائے پہاڑوں اور جنگلوں کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آفتاب اب اُفق مغرب سے ملا ہوا تھا۔ دوسری طرف چاند نکل آیا تھا۔ دونوں نورانی جرم ایک دوسرے کے مقابلے میں تھے یہ معلوم ہوتا تھا جیسے گنبد نیلی کے دونوں طرف دو گول آئینے برابر کے نصب کر دیئے گئے ہیں۔ چند لمحے کے بعد آفتاب غروب ہو گیا مگر اُس کے غروب ہونے سے پہلے ستارہ زہرہ اُفق مغرب سے کوئی سوا نیزہ بلند عجیب حسن سے چمک رہی تھی۔ اور ستارے بھی سطح آسمان میں چمکتے نظر آ رہے تھے۔ مگر ماہتاب کی روشنی اُن پر غالب تھی زہرہ کی تجلی اس وقت ماہتاب کو شرمائے دیتی تھی یہ سب کچھ تھا مگر نواب کا یہاں ٹھہرنا اور اس وقت انہیں یقین نہیں آتا۔ نواب وہ شخص ہیں جو عالم افلاس میں بھی رات کو اپنے بستر سے نہیں اُٹھ سکتے تھے بچپن میں جو انکو ان دادوں نے جو جو ہائی شادی بیاہ دولت۔ دفینہ و خزینہ سے دفتاً فوقتاً ڈرایا تھا وہ خون دل میں سمایا ہوا تھا اور اب بھی ہے۔ پھر اس وقت ایسے مقام پر ٹھہرنا چہ معنی دارد۔ اگر یہ کہا جائے کہ شاہ صاحب کا آسرا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تھا۔ اس لیئے کہ اسمائے رجالیات اور دیگر ایسے ایسے جید سکھا دیئے تھے کہ نواب کے دل سے خوف بالکل گیا تھا۔ اس کو ہم نہیں مانتے۔ ہاں ایک بات دل میں آئی ہے کہ جہاں نواب بیٹھے ہوئے تھے یہیں سے تھوڑی دور پر واجد یہ غزل شام کلیان کی دھن میں گا رہا تھا۔ اور رشیدی مسعود منہ سے طبلہ بجا رہا تھا واجد قدرتی خوش گلو تھا۔ اور کسی قدر معلومات بھی تھی۔ آواز کا یہ حال تھا جیسے ارگن بج رہا ہے بسی ہوئی تانیں نکلتی تھیں۔ اُدھر رشیدی مسعود منہ سے طبلہ بجانے میں فرد۔ کوئی تال ایسی نہ تھی جو اُس نے منہ سے نہ ادا کی ہو ایسے ایسے ٹکڑے لگاتا تھا کہ اچھے طبلہ اور پکھاوجی حیران ہو جاتے تھے۔

بیچین نہ ہو درد سے آرام یہی ہے
مرنے کا مزا اے دل ناکام یہی ہے
سچ کہتا ہوں مرنے کو میرے سہل سمجھئے
میں آپ کا عاشق ہوں میرا کام یہی ہے
میں نے جو کہا ان کو ہنسی سے ستم آرا
کہتے ہیں کہ ہاں سچ ہے میرا نام یہی ہے
ان ہاتھوں سے تم زہر اگر ہم کو پلا دو
ہم سمجھیں کہ بس بادۂ گلفام یہی ہے
دیکھو کبھی آئینہ کبھی زلف سنوارو
عالم میں تمھارے سحر و شام یہی ہے
دیکھا ہے مجھے اپنی خوشامد میں جو مصروف
اُس بت کو یہ دھوکہ ہے کہ اسلام یہی ہے
اشعار میرے سن کے کہا کون ہے مرزا
کیا ہو جو بتا دوں کہ میرا نام یہی ہے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اُس کی چھپی ہوئی چتون پہ نہ جائے ناداں

بس پردہ بھی ذرا دیکھ کہ ہوتا کیا ہے

لکھنؤ میں پہنچنے کے بعد پھر چھوٹے نواب اپنے دیوان خانے میں اُتر رہے۔ آج ہی رات کو ہنر قبالے اپنا جلوہ دکھایا۔ طلسمی دروازہ اُسی طرح بند رہا۔ چند منٹ سے زیادہ دیدار نہ آج تک نصیب ہوا تھا نہ آج ہوا۔

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

شراب قاف میں دارو ئے بیہوشی کی پُٹ لگی ہوئی تھی جہاں چھوٹے نواب نے دو ایک دور پئے اور انتہا غفیل ہو گئے۔ شاہ صاحب اب تک کہے جاتے تھے کہ آپ گیارہ بجے سترہ دقیقہ چونتیس ثانیہ پر پرستان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ دو ڈیڑھ مہینے تک گو کہ چھوٹے نواب سفر میں رہے مگر روز پرستان میں سوتے رہے ظاہری دیدار سے البتہ محروم رہے۔ مگر لطف آغوش خیال ہر روز ملتا رہا۔ اگرچہ اُس کا حسن چھوٹے نواب کو ایک منٹ کے لئے بھی نہیں ہوا۔ مگر شاہ صاحب کی جادو بھری تقریر میں وہ اثر تھا کہ کبھی نواب صاحب کو اس امر کی خلاف واقع ہونے کا شبہہ تک نہ ہوا۔

مگر یہ زمانہ چھوٹے نواب کے رُشد اور بلوغ کا تھا۔ اس لئے کہ بد قسمتی سے رئیس زادوں کا رُشد اور بلوغ زوال دولت پر موقوف ہے۔ چھوٹے نواب کا یہ زمانہ قریب پہونچ گیا تھا۔ یہ درحقیقت زوال دولت ہو چلا تھا۔ مگر ابھی تک چھوٹے نواب کو اس کا علم نہ تھا جس طرح حدوث صوت کے بعد چند ثانیہ (سکنڈ) تک تموجات باقی رہتے ہیں۔ یا جیسے کسی درخشاں جوہر کے دیکھنے کے بعد کچھ دیر تک اُس کا ارتسام دماغ میں رہ جاتا ہے یہی حال انسان کی ہر ماضی حالت کا ہے۔ چھوٹے نواب کو ابھی کامل طور سے اپنی تباہی کا یقین نہ تھا۔ اس لئے کہ ابھی تک وہی ساز و سامان تھا۔ گو کہ اثاث البیت کا بکنا شروع ہو گیا تھا۔ مگر دسترخوان کی رونق یعنی مختلف خورے ابھی تک موجود تھے۔ گاڑی گھوڑے بک چکے تھے۔ مگر کرائے کی گاڑی پر اب تک سیر ہوا کرتی تھی۔ اور یہ حیثیت اس بنا پر تھی کہ پچیس ہزار کا ایک قطعہ نوٹ ابھی تک نمبروں کے گم ہو جانے کی وجہ سے نہیں بھنایا گیا تھا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

الغرض آج دید و داد کے بعد نواب صاحب اپنے کمرے میں پڑے سوچا کئے۔ سبز کنول روشن تھے کمرہ جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ کوٹھے پر چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ نواب اسی عالمِ تنہائی میں اپنی گذشتہ اور آئندہ حالت پر غور کر رہے تھے۔ طلسمی دروازہ سامنے تھا۔ طلسمی صندوقچہ کھولا۔ اس میں شراب کا شیشہ خالی تھا فوراً جماہیاں آنے لگیں۔ ضعف و شکستگی شروع ہو گئی۔ اس لئے کہ بردۂ قاف کی شراب میں تریاک کو کناری جزو اعظم ہے آج نہ جانے کارکنانِ سبز قبا سے کیا غلطی ہوئی کہ شراب ندارد کر دی گئی۔ کئی مرتبہ الارم دیا۔ صدائے برنخاست اس لئے کہ خمکدۂ قاف خالی ہو چکا تھا۔ اب اُس میں ایک قطرہ باقی نہ تھا۔ اور جماہیاں آئیں۔ بدن ٹوٹنے لگا۔ اب یہ حال ہے کہ نہ بیٹھے چین پڑتا ہے نہ کھڑے سکرات کا عالم ہے مگر کیا کیا جائے مرشد کے قول کی پابندی سبز قبا کا اشتیاق الحماد نہ تھا گو شیخ بر سے اُتر آتے۔ اتنے میں طلسمی دروازے پر نگاہ جا پڑی۔ دیکھا کہ درمیانی دلہن کا شیشہ ٹوٹا ہوا ہے۔ مہاراجہ نے نواب کے کان میں پسِ قانوں۔ کیسی قسم کی صدائیں آئیں کہ قوتِ سامعہ اُسی طرف متوجہ ہو گئی۔ نواب پر وہ حالت طاری تھی جیسے خواب و بیداری کے درمیان سمجھنا چاہیے۔ مگر ان صداؤں سے ایک صدا ایسی نکلتی تھی جس سے کان آشنا تھے۔ آج ہارمونیم اور پیانو کی سریلی آوازوں کے بدلے ایک مرد کے تیکھے اور بیہودہ گالی گلوچ کا غوغا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک عورت کی آواز کی جھنکار دل میں اُتری جاتی۔ اسی آواز کو نواب نے آج تک نہ سنا تھا۔ نواب دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں۔ گمنام جوگی جس کے خوف کے مارے شاہ صاحب مجھ کو ڈیڑھ برس ملکوں ملکوں لئے پھرے۔ ممکن ہے کہ اُسی کی آواز ہو مگر لب و لہجہ اور ادائے صورت کا انداز اُس آواز سے جسے میں اچھی طرح پہچانتا ہوں کسی قدر مشابہ ہے۔ سنا کرتے ہیں کہ ساحر لوگ اپنی صورت دوسروں کی سی بنا سکتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ آواز بھی بنا لیتے ہوں۔ پھر اگر یہ آواز سبز قبا کی ہو۔ ضرور یہ سبز قبا کی آواز ہے۔ ہائے میری عاشقِ زار پری پر ستم ہو رہا ہے۔ گمنام جوگی کیسی مغلظات گالیاں دے رہا ہے شاہ جی نے اکثر اسرار ردِّ سحر کے تعلیم کئے تھے انہیں پڑھنے لگے۔ مگر بظاہر اس نے کچھ بھی تاثیر نہ کی۔ اس سے تو گمنام جوگی اور بھی برہم ہو گیا۔ ہائے اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سبز قبا پر دستِ ستم دراز ہو گیا لو وہ طمانچہ پڑا۔ ہائے سبز قبا کس درد سے رو رہی ہے۔ افسوس پردۂ طلسم درمیان میں حائل ہے۔ ورنہ گمنام جوگی سے

itsurdu.blogspot.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جا کے ابھی بجھ لیتا۔ اس کے بعد رونے کی آواز دیر تک آیا کی۔ پھر معلوم ہوا کہ جیسے کوئی ہچکیاں لے رہا ہے پھر خراٹوں کی آواز آئی خیر گھنشام جوگی سو رہا۔ اب سبز قبا کی مخلصی ہوئی نواب نے دوبارہ الارم دیا سبز قبا سامنے آکھڑی ہوئی۔ سبز جوڑا نچا کھچا۔ بال پریشان چہرے پر اداسی چھائی ہوئی۔ اس قدر آثار اس لڑائی کے جسے نواب نے اپنے کانوں سے سنا۔ اب تک باقی تھے۔ ٹوٹے ہوئے شیشے میں سے ایک طرف کا ہاتھ صاف نظر آتا تھا۔

گورا ہاتھ اس میں پھنسی پھنسی چوڑیاں مگر پنجت دست پر چوڑی کے ٹوٹنے سے جو خراش کا سامان تھا وہ بھی ظاہر تھا۔

اب تو یقین ہو گیا کہ وہ ستم کے طمانچے اسی نازک اندام پر پڑے ہیں۔ جو اس وقت غم کی تصویر بنی کھڑی ہے۔

پہاڑ سی رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ رات بھر نیند کا تو کیا ذکر پلک تک جھپکانے کی قسم ہے دل بیتاب بار بار الارم کی کنجی مڑوڑنے پر مجبور کرتا تھا۔ سبز قبا سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ گیارہ بجے رات سے صبح تک دس مرتبہ سامنا ہوا۔ آج نواب کا پلنگ اٹھانے نہ کوئی دیو آیا نہ جن۔ اس لیے کہ سبز قبا خود ہی پرستان میں نہ تھی گھنشام جوگی کے خراٹوں کی مہیب آواز کانوں میں آرہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس طرف گھنشام جوگی پڑا سو رہا ہے۔ اور بیچاری سبز قبا جاگ رہی ہے۔ جب الارم دیا جاتا ہے طلسمی دروازے میں آکھڑی ہوتی ہے نواب نے کئی بار ارادہ کیا کہ آج طلسمی دروازہ کے طلسم کو توڑ ڈالیں۔ مگر جرائت نہ ہوئی گھنشام جوگی کا خوف دل میں سمایا ہوا تھا۔ تین بجے رات کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے گھنشام جوگی خواب غفلت سے بیدار ہوا۔ پانی مانگا۔ سبز قبا نے پانی پلایا۔ اس کے بعد جو باتیں نواب صاحب کے رقیب گھنشام جوگی اور سبز قبا میں ہوئیں وہ سب نواب صاحب نے اپنے کانوں سے سنیں اس لیے کہ نواب صاحب نے اپنی کرسی طلسمی دروازے کے قریب ہی رکھدی تھی۔ شیشہ کے شکست ہو جانے سے ادھر کی آواز خواہ کیسی ہی آہستہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سے کیوں نہ ہو صاف ادھر سنائی دیتی تھی۔ اب نواب صاحب نے لالارم نہیں دیا نہ سبز قبا آئی۔ اپنے اور سبز قبا کے معاملہ عشق کا فیصلہ نواب نے اپنے دل میں کر لیا تھا۔ مدتوں کا راز بقدر شکست پردہ زمردی نواب صاحب پر کھل گیا تھا نواب کو چنداں صدمہ بھی نہیں ہوا۔ اس لئے کہ یہ اپنے آپ کو جعلسازوں کا تختۂ مشق پہلے ہی سے سمجھ چکے تھے اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ ڈھائی لاکھ کے نوٹوں کے جانے کے بعد جب آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ دنیا ایک طلسم جعلسازی ہے۔ کوئی شخص کسی سے (خصوصاً ان سے) بے غرض نہیں ملتا۔ کسی کی کوئی بات جعل سے خالی نہیں۔ اب ان کے دل میں بھی یہ سما گیا تھا کہ پھر کیا کیا جائے ؎

با ہمیں مردماں بیاید ساخت

مصلحت وقت کے مناسب کام کرو۔ لذتِ عاجل کو نفع آجل کے جھوٹے وعدوں پر چھوڑنا۔ ایسی حالت میں لغو ہے۔ جس طرح بن پڑے اپنا مطلب نکالو۔

میراث پدری کا خاتمہ ہو گیا۔ والدہ خفا ہو کے کربلا چلی گئیں۔ ماموں کی بیٹی جن کے ساتھ عقد ٹھہرا تھا اُس کا نکاح مرشد آباد کے ایک لائق رئیس زادے کے ساتھ ہو گیا۔ غرض کہ جملہ مقدمات جن پر ان کی دینی اور دنیاوی ترقیاں منحصر تھیں۔ ان کے خلاف طے ہو گئے۔ اب اگر نان شبینہ مل سکتی ہے تو ان ہی جعلیوں کی دست نگری سے مل سکتی ہے۔ وہ بہ اُمید منافع آئندہ یا کسی اور طریقے سے جس میں اگرچہ ذلت ہو مگر جان تو چین سے رہے گی۔ اس کے ساتھ ہی ان کو یہ بھی خیال آیا کہ اچھا اب اُن لوگوں کو لینا چاہیے جن سے ہم نے زمانہ جہالت اور غفلت میں پہلو تہی کی تھی۔ اس طرف کچھ جینے کی صورت نظر آتی تھی۔ مگر افسوس کس قدر خفت ہو گی یہ کلمہ۔

(کیوں ہم نہ کہتے تھے)

کس سے سنا جائے گا۔ مگر جو کچھ ہوا برحق ہے۔ اور ہم اُس کے سننے کے سزاوار ہیں۔ پھر اس میں بُرائی کیا ہے۔ کہنے دو۔ یہ تو دیکھو کہ کچھ اپنا مطلب بھی کسی سے نکل سکتا ہے اچھا وہ لوگ کون ہیں۔ جن سے کچھ اُمید ہو سکتی ہے سب سے پہلے مرزا کاظم علی کا خیال آیا۔ افسوس میں نے اُس کے ساتھ برائی کی اُس کے موروثی استحقاق سے چشم پوشی کر کے عین اُس وقت جبکہ مجھے سب سے زیادہ اسی پر التفات چاہیے تھا حلقۂ مصاحبت سے خارج کر دیا۔ کاظم علی کے ساتھ ہی خورشید کا خیال آیا۔ آج معلوم ہوا۔ باوجود شاہد بازاری ہونے کے قابل قدر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

عورت تھی۔ افسوس اگر کسی نے دنیا میں مجھ سے محبت کی ہے۔ تو وہ خورشید تھی۔ کلمہ حق کہنے کے جرم پر اسے میں نے نکال دیا۔ اور ایسا بیزار ہوا کہ اُس نے کئی بار دیکھنے کی درخواست کی اور میں نے بری طرح سے جواب صاف دیا اب اسکے دل میں میری طرف سے کیا جگہ باقی رہی ہوگی۔ افسوس مرزا کاظم علی پر کیسی بڑی تہمت لگائی گئی۔ اُس وقت بھی اور اب بھی ایمان سے کہہ سکتا ہوں کہ مرزا کاظم علی کا دامن اس لوث سے پاک تھا۔ خورشید کو صرف اُنکی سوزخوانی کی وجہ سے اُن کی طرف توجہ تھی۔ وہ جن کو میں اپنا دوست صادق اور جاں نثار سمجھتا تھا اُن کی نگاہیں خورشید پر بھی پڑتی تھیں۔ یہ میں آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ مگر میری آنکھوں پر کیسی غفلت کے پردے پڑ گئے کہ ایسے لوگوں کے عیب بھی مجھے ہنر معلوم ہوتے تھے وہ شیخ بخدی جن کو خورشید ہمیشہ مرشد کے لقب سے یاد کرتی تھی اور میں بُرا مانتا تھا واقعی اسی لائق تھا۔ میری تباہی کا بانی مبانی وہی مردود تھا۔ شاہ صاحب اگرچہ کید و مکر میں بے مثل ہیں مگر مرشد کے سامنے کچھ نہیں اُسی کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ خیر اُس کے حصے میں بھی بیس پچیس ہزار روپیہ آگیا ہوگا۔ تیس تیس ہزار منشی اور داروغہ کے پلے پڑے۔ وکیل صاحب ایک بچا سا وہ لے گئے۔

مرشد کا بیٹا کیسا میرا رفیق بنا ہوا تھا۔ واقعی وہ فن جعلسازی میں اپنے باپ کا باپ ہے پھر اگر اس کو خورشید خلیفہ کہتی تھی اور مرزا کاظم علی تائید کرتے تھے تو کیا بیجا تھا۔ اچھا مگر اب یہ باتیں دل ہی دل میں رکھنے کی ہیں۔ ہائے ان جعلیوں نے کیسی زبان بندی کی ہے کہ منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سب تو سب یہ میں نے کیا غضب کیا کہ بزرگوں کے وقت کا تمام اثاثہ جس میں کم از کم لاکھ ڈیڑھ لاکھ کا جواہرات تھا اماں جان کے جانے کے بعد خلیفہ کے حوالہ کر دیا۔ بھلا اب وہ مجھے دیں گے۔ توبہ! ۔ مہاجنوں کے تمسک کتنے نکل آئے۔ میرے فرشتوں کو بھی ان قرضوں کی خبر نہیں۔ یہ نشہ کے عالم میں جو چٹھیاں شراب کے لئے لکھوائی جاتی تھیں۔ وہ درحقیقت تمسک تھے۔ اسٹامپ کی مُہر چھپا کے کیسے دستخط لئے ہیں جعلیوں نے اپنا کام پورا کر لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی میرا کام تمام کر دیا۔ خیر خدا بھلے۔

اماں جان پر کیسی سخت تہمت لگائی۔ اور مجھے یقین آگیا۔ آخر وہ راز بھی کھُل گیا نہ! اماں کی چالاکیاں تھیں۔ اماں کی چالاکیاں کیا یہ بھی مُرشد کا فقرہ تھا۔ آخر کلثوم بیگم چھٹی نویس کا نکاح حکیم صاحب سے کرا دیا۔ اور کیا فقرہ لکھوایا ہے کہ میرے کوئی اولاد نہیں بھلا اماں جان مجھے کیوں خارج کرتیں۔ افسوس میں کہیں کا نہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

رہا۔ اماں جان کو سنتا ہوں اور نوع دگر ہوا تو ان کے آخری دیدار سے اور ان کے سہرا جو کچھ بچا بچایا ہے اُس سے بھی محروم رہا۔

رات بھر نواب صاحب اسی اُدھیڑ بن میں رہے اتنے میں صبح کی توپ چلی۔ مسجدوں میں نعرۂ اللہ اکبر کی صدا گونجنے لگی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ نواب رات بھر کے جاگے ہوئے تھے نیند نے غلبہ کیا سو رہے صبح کو کوئی آٹھ نو بجے آنکھ کھلی۔

طلسمی کمرہ اب ان کو ایک معمولی کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ اس میں جو چیزیں موجود تھیں مثلاً کرسی پلنگڑی شیشہ آلات جن پر اس وقت آفتاب عالمتاب کی تیز شعاعیں پڑ رہی تھیں طلسمی دروازہ کیا ایک شیشہ کا الماری نما دروازہ تھا۔ زمردی پٹ کیسے سبز شیشے لگے ہوئے تھے اب انھوں نے بے تکلف اس دروازے کو کھولا۔ اُس دروازے کے نیچے ایک سبز کپڑے کا پردہ پڑا تھا۔ اُس کو اٹھا کے دیکھا ایک چوبی دلہر دار دروازہ نظر آیا۔ نواب نے جرات کر کے اسے بھی کھولا۔ سارے طلسمات کا راز آنِ واحد میں کُھل گیا۔ دیکھا کہ ایک کمرہ ہے۔ معمولی طور سے سجا ہوا اس میں ایک پلنگ لگا ہے۔ وہی شخص جس کو یہ گمنام جوگی سمجھے ہوئے تھے۔ (یا اصل واقعہ سے عمداً تجاہل کرتے تھے) پڑا سو رہا ہے۔ اُسی کے پائنتی سبز قبا وہی رات کا لباس پہنے غافل سو رہی ہے۔ شراب کی بوتل اور نقشی بڑی سی بے گلاس ٹوٹا ہوا الگ رکھا ہے۔ سامنے چوکی پر لوٹا پانی کا گھڑونچی پر دو گھڑے کورے کورے رکھے ہیں۔ اور ان پر کٹورے ڈھکے ہوئے ہیں۔

اس وقت نواب صاحب کو معلوم ہوا کہ پس پردہ قاف ویسی ہی دنیا آباد ہے۔ جیسی اس طرف ہے جہاں ہم آپ رہتے ہیں۔

دیکھو اس طرح بھی مل لیتے ہیں ملنے والے
شمع کا بس نہ چلا بزم میں پروانے سے

نواب صاحب حسب معمول طلسمی کمرے کو مقفل کر کے نیچے اُترے۔ مدار بخش نے حقہ لگایا نواب صاحب حقہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پیتے جاتے ہیں اور شب گذشتہ سے اس وقت تک جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اُس میں سے ہر بات کے ایک ایک پہلو پر نظر ہے۔ آئندہ زندگی کے منصوبے باندھ رہے ہیں۔ زوال دولت یقینی ہے۔ مگر اُس کا چنداں صدمہ نہیں اس لئے کہ حصول دولت میں آپ کو کچھ عرق ریزی نہ کرنا پڑی تھی پچھلے واقعات نواب صاحب کی نگاہوں میں ایک خواب سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ اب جس چیز کا سب سے زیادہ خیال ہے وہ بنو قبا کی صورت ہے ایک تو اس کا اشتیاق برسوں سے تھا اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور باقی رہا ہوگا۔ دوسرے غیر کے قبضہ تصرف میں اُسے دیکھ کے خواہش انتقام نے اُس باقیماندہ اثر کو اور بھی ترقی دیدی۔ فرد۔

یہ کیا کہ غیر مزے لے تمہارے جوبن کے
یہ اشتیاق ہمیں اور ہم رہیں محروم

یہ تو ہرگز نہ ہوگا کہ ہم محروم رہیں اچھا آج رات کو سمجھا جائے گا۔ مگر دیکھو دشمنوں پر کہیں ہمارے ارادے ظاہر نہ ہو جائیں ورنہ ستم ہو جائے گا۔ پھر کامیابی محال ہے۔ اس وقت نواب کو اعضا شکنی کی شدت تھی مدار بخش سے چار آنے کا قوام قرض منگوایا دو ہی چار چھینٹے چائے کے پڑے ہوں گے کہ طبیعت چاق ہو گئی تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ جی تشریف لائے انھوں نے شب گذشتہ کو کثرت سے شراب پی تھی اس کا اثر چہرے سے ظاہر تھا نواب نے اس طرح سے سلسلۂ کلام کو وا کیا۔

نواب۔ یہ آج آپ کے چہرے کا کیا حال ہے معلوم ہوتا ہے رات کو کہیں خوب اُڑی۔

خلیفہ۔ جی ہاں آپ کے پاس سے گھر کو جاتا تھا راستہ میں میاں فدو مل گئے۔

نواب۔ (بات کاٹ کے) کون فدو۔

خلیفہ۔ وہ ہمارے محلے میں ایک چھوٹے خاں گندھی رہتا ہے۔ پہلے تو وہ کچھ نہ تھا اب بڑا کارخانہ ہو گیا ہے۔ فدو اُسی کا لڑکا ہے۔ باپ تو بیچارہ ضعیف ہو گیا ہے اب یہ ہیں کہ دولت لٹا رہے ہیں ہزاروں روپیہ ڈور کنکوے میں اڑا دیا۔ دو سو روپیہ مہینے کی رنڈی نوکر ہے۔ شہر کے دس پانچ گرگے ساتھ رہتے ہیں۔ شرابیں پی جاتی ہیں میں تو آپ جانتے ایسی صحبتوں سے بھاگتا ہوں۔ مگر علیک سلیک مدت سے ہے۔ وہ اس سبب سے کہ ایک دن یہ چھتن کے کمرے پر بیٹھے تھے۔ میں بھی کہیں اتفاق سے جا پڑا۔ یہ بہت پیے ہوئے تھے، اور

itsurdu.blogspot.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

چھٹن سے اُس زمانے میں انسپکٹر صاحب سے ملاقات تھی۔ اُن کا آدمی بلانے آیا انھوں نے کچھ اُس کو سخت سُست کہا بھلا پولیس کا آدمی ایسی کب سُنتا ہے۔ وہ اس وقت تو چپکا چلا گیا تھانہ دار صاحب سے کیفیت بیان کی انھوں نے حکم دیدیا جس وقت کمرے سے نیچے اُترے فوراً مرمت کر دو۔ پھر دیکھ لیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں بھی ساتھ تھا۔ مگر مجھ سے کیا واسطہ تھا نہ دار صاحب کا حکم قطعی تھا۔ بھلا وہ کیونکر ٹل سکتا۔ پولیس والوں نے خوب ہی کو بہ کاری کی۔ اور پھر پکڑ کے تھانے پر لے گئے۔ میں بھی ساتھ ساتھ چلا گیا اور داروغہ صاحب سے کہہ سُن کے معاملہ کرا دیا۔

نواب۔ (دل میں ہاں میں سُن چکا ہوں پانچسو روپیہ آپ بھی نوش کر گئے) خلیفہ جی سے واقعی آپ نے بڑا کام کیا میں سُن چکا ہوں۔

خلیفہ۔ اُس دن سے یہ ہو گیا ہے کہ جہاں ملاقات ہو جاتی ہے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔

نواب۔ جی ہاں پھر دوستی میں تو ایسا ہوتا ہی ہے تو کئے بوتلیں اُڑیں۔

خلیفہ۔ پانچ بوتلیں اکشا نمبرون کی میرے سامنے کھلیں۔ اور پہلے جتنی کھُل گئی ہوں اس کی مجھے خبر نہیں

نواب۔ بھئی آج تو میرا بھی جی چاہتا ہے۔

خلیفہ۔ نواب ایسا نہ کرنا۔ آج جمعرات ہے تم کو شاہ صاحب نے منع کیا ہے۔

نواب۔ جی وہ جس کے لئے احتیاط کی گئی تھی۔ اس اسم کی ذکات میں دے چکا ہوں۔ اب کوئی ضرورت پرہیز کی نہیں۔

خلیفہ۔ یہ آپ جانئے میں نہیں کہہ سکتا۔

بات یہ تھی کہ خلیفہ نے واقعی بہت پی تھی۔ اس وقت اس کا خمار تھا جو اُن کا جی چاہتا تھا کہ کسی طرح رفع خمار کیا جائے۔ ادھر نواب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ اُونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ۔

نواب۔ دیکھو۔ تحویل میں کچھ ہے؟۔

خلیفہ۔ منشی سے بلا کے پوچھئے۔

نواب منشی جی کے نام پر چونک پڑے اس لئے کہ یہ وہ بزرگ تھے کہ ہزاروں روپیہ انھوں نے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نواب کے غبن کے جعلیوں کے مشورے میں بعد مرشد کے انہی کی رائے ہوتی تھی۔ نواب کا تمام اثاثہ البیت جو خلیفہ جی کے تاخت و تاراج سے بچا وہ ان کے کٹنے لگا۔

نواب۔ وہ تو کئی دن سے نہیں آئے۔ (مدار بخش کو آواز دی) کیوں منشی جی کیسے ہیں؟

مدار بخش۔ جی ہاں کئی دن سے گھٹنوں میں درد ہے۔

نواب۔ تو پھر کاہے کو آنے لگے؟۔ (خلیفہ جی سے) اچھا تو آپ جایئے ایک پانچ روپے میرے نام سے مانگ لایئے۔

خلیفہ۔ آپ جانتے ہیں کہ مجھ سے اُن سے ملال ہے۔ میں نہ جاؤں گا۔

نواب۔ مدار بخش اچھا تم جاؤ۔

مدار بخش گیا۔ اور بے نیل مرام واپس آیا۔ منشی جی صاحب نے کہلا بھیجا کہ میرے پاس ایک حبہ نہیں ہے۔

نواب۔ یہ منشی جی رہتے کہاں ہیں۔

مدار بخش۔ یہ کیا شاہ گنج کے نالے میں مکان ہے۔

نواب۔ اچھا تو میں خود جاتا ہوں۔

خلیفہ۔ ہاں آپ ہی تکلیف کیجئے تو کام بن جائے گا۔

مولف اور اق نے آج نواب کو دیکھا تھا۔ کیونکہ اُس زمانے میں مولف اور اق بھی وہیں رہتا تھا۔ بلکہ اُس وقت منشی جی بھی وہیں تشریف رکھتے تھے مولف کو اس کے اور منشی جی کے معاملات سے کچھ اطلاع نہ تھی۔ مگر اتنا معلوم ہوا کہ نواب صاحب فلاں ابن فلاں ہیں۔ اور اب تباہ ہو گئے ہیں منشی جی سے تھوڑی دیر تک باتیں کیں۔ پھر منشی جی مکان کے اندر چلے گئے مولف سے اور نواب سے باتیں ہوا کیں پھر منشی جی باہر آئے اور نواب سے وعدہ کیا کہ میں ایک بجے روپیہ بھجوا دوں گا۔ شاید کوئی گھڑی تھی۔ اُس کے گروی رکھنے کی گفتگو ہوئی تھی۔ نوجوان آدمی تھے چھریرا بدن تھا۔ کھلتی سانولی رنگت تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ مونچھیں نکلتی آتی تھیں کوئی چھبیس ستائیس برس کا سن تھا چہرے سے دہانت پیدا تھی۔ مہین شربتی انگرکھا ولایتی چکن کا کرتہ۔ اور بے چست گھٹنا۔ کندھوں پر جالی پر کی چکن

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کا رومال صندلی رنگا ہوا۔ ہاتھ میں ایک باریک سی چھڑی۔ اُس پر سبز ریشب کی موٹھ لگی ہوئی تھی۔ کان میں آویزہ زمردی شاید نہ تھا۔

نواب۔ (منشی جی سے) اچھا تو یہ کام آج ضرور کر دیجئے۔ مجھے بڑی ضرورت ہے۔

منشی جی۔ (کمال تحیر سے) جی آپ کی ضرورتیں یونہی رہا کرتی ہیں۔

نواب۔ (لجاجت کے لہجے میں) اچھا تو آپ کو کیا یہ کام کر دیجئے۔ پھر تکلیف نہ دونگا۔

منشی جی۔ اور وہ جو پانچ روپے پرسوں گئے تھے۔

نواب۔ وہ خرچ ہو گئے

منشی جی۔ تو وہ بھی اسی میں شامل کر دیجائیں گے اور سود کٹ جائے گا۔

نواب۔ نہیں پورے پانچ دیجئے گا۔ سود نہ کاٹئے گا۔

منشی جی۔ آپ تو اس طرح کہتے ہیں۔ جیسے میں اپنے پاس سے روپیہ نکال کے دوں گا۔ بھلا مہاجن بغیر سود کاٹے روپیہ دیگا؟۔

نواب۔ نہیں جس طرح بنے پانچ روپیہ دیجئے گا۔

منشی جی۔ اچھا جائیے۔ حتی الامکان کوشش کرونگا۔

نواب۔ تو کب۔

منشی جی۔ کوئی دو بجے۔

نواب۔ اطمینان رکھوں۔

منشی جی۔ ہاں ہاں۔ کہتا تو ہوں۔

اس کے بعد نواب صاحب منشی جی سے رخصت ہوئے منشی جی فوراً اندر چلے گئے۔ پھر مولف سے دو تین باتیں ہوئیں اس کے بعد بڑے تپاک سے ہاتھ ملا کے رخصت ہوئے۔

گھر پر پہونچ کے دیکھا کہ خلیفہ جی نے دیسی شراب کی ایک بوتل اپنے پاس سے منگائی ہے بلا انتظار نواب صاحب دو دو پی چکے ہیں۔ نواب صاحب کے پہونچنے کے بعد ان کی بھی صلاح کی گئی۔ نواب نے آج دیسی شراب پی

itsurdu.blogspot.com